تدوین متن: چند اہم متون کا تقابلی جائزہ

Text Editing: A Comparative Analysis of Some Important Texts

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2024.08022200

ساجد علی امیر
Sajid Ali Ameer
Ph. D Scholar, Department of Urdu
Riphah International University, Faisalabad

ڈاکٹر شبیر احمد قادری
Dr Shabbir Ahmed Qadri
HOD, Department of Urdu
Riphah International University, Faisalabad

Abstract:

Editing refers to arranging the text according to the author's intention and identifying the modifications and distortions in it and restoring the text to the state in which the author himself wrote it with the help of other authentic texts and evidence. The main thing is the text. The quality of criticism and research depends on the accuracy of the text. If seen in this sense, the importance of editing becomes clear. The rules and regulations of editing are not scientific and universal in nature. Amendments may be made. In the research study of Urdu language and literature in the first half of the 20th century, the names of Hafiz Mahmood Sherani Mudavvan "Majmua e Naghz", Imtiyaz Ali Khan Arshi Mudavvan "Dewan Ghalib" and Rasheed Hassan Khan Mudavvan"Bagh-o-Bahar" are found. These important authors of Urdu have edited different types of texts and tried to explain the principles and procedures of editing in their prefaces. While reviewing, comparisons will be made so that general principles of editing different types of texts can be brought out.

Keywords:

Criticism, Research, Scientific, Universal, Literature, Hafiz Mahmood Sherani, Imtiyaz Ali khan Arshi, Rasheed Hassan Khan, Prefaces

تدوین سے مراد متن کو منشائے مصنف کے مطابق ترتیب دینا یا اس میں ہونے والی ترامیم اور تحریفات کی نشاندہی کرنا اور دیگر مصدقہ متون اور شواہد کی مدد سے متن کو اس کی اصلی حالت میں بحال کرنا ہے جس میں اسے مصنف نے خود تحریر کیا تھا۔ "ہندوستانی متنی تنقید کا تعارف" INTRODUCTION TO INDIAN TEXTUAL CRITICISM میں ایس-ایم کاترے لکھتے ہیں:

> "متنی تنقید، انسانی ذہانت کے ماہرانہ اور منضبط استعمال کا نام ہے جس کے ذریعے ہم کسی متن کو ممکنہ حد تک اس کی "اصل شکل" میں بحال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں لفظ "اصل شکل" سے ہماری مراد مصنف کا حقیقی منشاو مدعا ہے۔"(۱)

ابتدا میں تنقید اور تدوین کے درمیان حدِفاصل قائم نہ تھی۔ اس وجہ سے متنی تنقید کو تنقید کا ہی ایک حصہ سمجھا جاتا رہا۔ مغربی محقق ایس-ایم کاترے نے اسے "تنقیدی نظر ثانی" کہا ہے۔ تدوین کو تنقیدی نظر ثانی کہنا مناسب نہیں کیوں کہ تدوین اور تنقید الگ الگ اصناف ادب ہیں۔ یہ متضاد نہ سہی لیکن ان کا دائرہ کار مختلف ضرور ہے۔ تنقید کسی فن پارے کی تشریح و تعبیر کے ساتھ ساتھ معاصر ادب میں اس کا مقام متعین کرتی ہے۔ تدوین کا مدعا اور مقصد اس متن کی بازیافت ہے جو مصنف نے لکھا یا وہ لکھنا چاہتا تھا۔ متن کی جزئیات کو اس ترتیب میں رکھنا جس کا اہتمام مصنف نے کیا تھا۔

کلاسیکل ادب کا اثاثہ قلمی نسخوں اور مخطوطات کی صورت میں تھا۔ جب ہندوستان میں چھاپہ خانہ لگا تو کتابیں شائع کرنے کرانے کا رواج عام ہوا۔ یہ کتابیں موجود و میسر قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کی گئیں۔ اس کے بعد نقل در نقل اور اشاعت در اشاعت کے مراحل طے کرنے کی وجہ سے ان نسخوں کے متن میں حذف و اضافے ہو گئے ہیں اب متن کی صحت کے لیے ان محذوفات اور اضافوں کی نشاندہی از حد ضروری ہو گئی ہے کیوں کہ تنقید اور تحقیق کی صحت کا انحصار متن کے معیار پر ہوتا ہے۔ اگر متن مشکوک ہو تو تنقید اور تحقیق کا سارا کام بے کار ہے۔

تدوین میں بنیادی چیز متن ہے۔ متن سے مراد کسی کتاب مضمون یا دستاویز وغیرہ کی اصل عبارت ہے۔ مصنف کے ابتدائی نسخے سے نقل در نقل اور اشاعت در اشاعت ہونے والے نسخوں کا متن مصنف کے متن سے دور ہو جاتا ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اس میں غلطی کا مادہ فطری طور پر موجود ہے۔ وہ یہ غلطی شعوری اور لاشعوری دونوں طرح سے کرتا ہے۔ مدوّن کا کام مصنف کے متن کو شعوری اور غیر شعوری حذف و اضافہ سے پاک کرنا اور متن کو ہر ممکن طریقے سے منشائے مصنف کے مطابق ترتیب دینا ہے۔ بعض اوقات متن کا کوئی ایسا نسخہ نہیں ملتا جو خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور تصدیق شدہ ہو۔ اس لیے مدوّن کو قیاسی تصحیح سے کام لینا پڑتا ہے۔ تدوین کا بنیادی تقاضا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مدوّن قیاسی تصحیح سے گریز کرے کیوں کہ یہ مدوّن نے اپنے علم کے بھروسے پر کرنا ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب تصحیحِ متن کسی ذریعے سے ممکن نہ ہو۔ قیاسی تصحیح مصنف کی منشا کے برعکس بھی ہو سکتی ہے اس لیے

قیاسی تصحیح کا دائرہ کار متن کی قرات تک محدود ہونا چاہیے۔

ادب کی کسی شاخ میں بھی دو جمع دو چار نہیں ہوتے ادب محض امکانات کی جستجو کا نام ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ محقق چاہے جتنی محنت کر لے تحقیق میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تمام تر کوشش کے باوجود تحقیق و تدوین کے اصول سائنسی اور عالمگیر نوعیت کے نہیں ہوتے اور ان میں ضرورت کے مطابق ترامیم ہوتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی پیش نظر رہے کہ تدوین کے اصولوں کا انحصار ادب کی صنف پر ہے جس کے متن کی درستی مقصود ہے جیسے جیسے اصناف ادب بدلتی رہیں گی تدوین کے اصول بھی اس کے مطابق ڈھلتے رہیں گے۔

تنقید کے اصولوں کی طرح تدوین کے اصول بنے بنائے نہیں ہوتے بلکہ مدوّن خود زیر مطالعہ اصناف کے مطابق اصول طے کرتا ہے۔ تدوین کے دوران میں ان میں کمی بیشی مدون ضرورت کے مطابق کر سکتا ہے۔ ان میں کچھ اصول ایسے ہوتے ہیں۔ جن کو ایک بار طے کر لینے سے ان کی پیروی لازم ہو جاتی ہے۔ اگر تدوین کے اصول سائنسی اصولوں کی طرح بنا لیے جائیں تو کام میں آسانی تو رہے گی لیکن متن منشائے مصنف کے مطابق مدّون نہیں ہو گا۔

مطالعہ ادب اور تاریخ ادب میں تدوین کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔ اردو زبان و ادب کے تحقیقی مطالعے میں بیسویں صدی کے نصف اوّل میں حافظ محمود شیرانی مدوّن "مجموعہ نغز"، امتیاز علی خان عرشی مدوّن "دیوان غالب-نسخہ عرشی" اور رشید حسن خان مدون "باغ و بہار" کے نام ملتے ہیں۔ اردو کے ان اہم مدونین نے مختلف طرح کے متون کی تدوین کی ہے اور اپنے مقدمات میں تدوین کے اصول اور طریقہ کار کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیر نظر مقالے میں ان کے اپنے اصولوں کی روشنی میں خود ان کی تدوین کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ مختلف طرح کے متون کی تدوین کے عمومی اصول سامنے لائے جا سکیں۔ ہر دور کے ادبا کا الگ اسلوب ہوتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ قلمی نسخوں میں کئی اہل قلم خود اپنی زندگی کے حالات و واقعات بیان کرنا یہاں تک اپنی کتاب پر اپنا نام لکھنا باعث عار سمجھتے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک تخلیق کو اہمیت حاصل تھی اور مصنف کی شناخت اس کی تخلیق سے ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اپنی تحریروں میں خود ان کے اپنے سوانحی واقعات بہت کم ملتے ہیں۔

جب ۱۸۵۷ء کے بعد مغربی علم اور طرز تحقیق ہندوستان میں رائج ہوا تو تخلیق کے ساتھ تخلیق کار کو بھی اہمیت ملی کیوں کہ خیال پیدا ہوا کہ تخلیق کو سمجھنے کے لیے خود مصنف کی شخصیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ تحقیق و تنقید کے نام پر گڑے مردے اکھاڑے جانے لگے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے تدوینی نسخوں کے مقدمات لکھ کر مصنف کے سوانحی حالات و واقعات دریافت کرنے کی کوشش کی۔ ان کے بعد آنے والے مدونین نے ان کے کام کو آگے بڑھایا۔ جن مصنفین کے حالات و واقعات معلوم نہ ہوتے ان کے متعلق قیاس آرائیاں مجتمع کر کے ان کا سوانحی خاکہ تیار کیا جانے لگا۔ اس مقالے میں سب سے پہلے "مجموعہ نغز" (جو علمی نثر پارہ ہے) اور اس کے مولف (میر قدرت اللہ قاسم) کا تعارف

بیان کیا جارہا ہے۔ حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ نے "مجموعہ نغز" تالیف کیا۔ انھوں نے اپنے تذکرے میں اپنے خاندانی حالات کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا لیکن حافظ محمود شیرانی نے دیگر تذکروں کی مدد سے ان کے خاندانی حالات دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (یہاں "مجموعہ نغز" کے مقدمے سے میر قدرت اللہ قاسم کے بارے میں کچھ معلومات بیان کرنا موزوں ہو گا تاکہ یہ دیکھا جا سکے یہ حالات ان کے لکھے ہوئے تذکرہ شعرا کی اہمیت اور تفہیم میں کس قدر مدد کرتے ہیں۔)

حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ کی کنیت ابو القاسم عرف میر قدرت اللہ اور تخلص قاسم ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کے نام کے ساتھ خان لکھا ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کے آباؤ اجداد مختلف شاہی عہدوں پر فائز رہے ہوں گے ان کے بزرگوں میں سید اسماعیل فاضل گجراتی کے نام ملتے ہیں۔ یہ بزرگ قصبہ گجرات شاہ دولہ (پنجاب) سے تعلق رکھتے تھے ان کا مکان گجرات میں لوہاروں کے محلے میں تھا اور قبر بھی وہی ہے جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ قدرت اللہ قاسم کا شجرہ نسب حضرت امام رضا سے ملتا ہے۔ ان کے بزرگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ متقی اور پرہیز گار تھے۔ انھوں نے اپنے ایک بزرگ کے متعلق بس اتنا ہی بتایا ہے کہ علی خان حسینی جو ایک شیخ باکمال ہیں۔ ان کا ذکر "مجموعہ نغز" کے علاوہ "کرامات پیران پیر" (قدرت اللہ قاسم) میں بھی آیا ہے۔ قاسم کا آبائی پیشہ درس و تدریس، درویشی اور پیری مریدی تھا۔ شیخ عبد القادر جیلانی سے انھیں خاص عقیدت تھی اور والد کی نصیحت کے مطابق ہر بار ہویں کو بڑے پیر کی فاتحہ دلواتے تھے۔ انھوں نے اپنے والد کے بارے میں بس اتنا بتایا ہے کہ وہ آٹھ سال کے تھے جب ان کے والد نے وفات پائی۔ گیارہ برس کی عمر میں میر فتح علی خاں حسینی نے ان کو مولانا فخر الدین کے مدرسے میں داخل کروا دیا۔ مولانا فخر الدین نے انہیں سید احمد کے حوالے کر دیا جو اس مدرسے کے مدرس تھے۔ قدرت اللہ قاسم نے مولوی محمدی سے مختصر معانی، مطول، شرح عقائد حنفی پڑھی ہے اور فن طب میں رئیس الحکما شریف الاطبا حکیم محمد شریف خاں اور فن شعر میں ہدایت اللہ خاں ہدایت کے شاگرد ہوئے۔ حکیم صاحب نے کسی کی ملازمت نہیں کی۔ مولوی کریم الدین لکھتے ہیں کہ "علم طب ان کو آتا تھا اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔"(۲)

"مجموعہ نغز" کے علاوہ بھی حکیم صاحب کی تصانیف ہیں۔ لیکن ان کی وجہ شہرت "مجموعہ نغز" ہے۔

"مجموعہ نغز" فارسی زبان میں اردو شعرا کا تذکرہ ہے۔ تذکرہ بیاض کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "بیاض میں صرف اشعار کا انتخاب ہوتا تھا، جب اس میں انتخاب اشعار کے ساتھ صاحبانِ اشعار کے نام اور تخلص کا اضافہ کر دیا گیا تو اس کا نام تذکرہ ہو گیا۔ تذکرہ بیاض سے آگے بڑھ کر نیم تاریخی، نیم تنقیدی اور نیم سوانحی فضا میں داخل ہو گیا۔

وقت اور ماحول کے تقاضوں کے تحت تذکروں پر ادبی تاریخ، تنقید اور سوانح نگاری کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔"(۳)

ایک دور میں شاعری باقاعدہ پیشہ تھا اور اسے سیکھا جاتا تھا۔ اس دور کے قادرالکلام شاعر استاد بن کر باقاعدہ شاعری سکھاتے تھے۔ اساتذہ فن کے شاگرد بہت زیادہ ہوتے تھے۔ اکثر شعرا کے ہاں مشاعرانہ معرکے ہوا کرتے تھے۔ ان کے شاگرد اپنی ذاتی بیاض میں اپنے کلام کے ساتھ ساتھ اپنے استاد کا پسندیدہ شعر نقل کر دیتے تھے۔ بعد میں شعر کے ساتھ شاعر کا نام بھی لکھا جانے لگا جس کی غرض وغایت یہ تھی کہ استاد کا کلام شاگرد کے کلام سے ممیز رہے۔ اس کے بعد شاگردوں نے ایک دوسرے کے شعر بھی نقل کرنے شروع کر دیے۔ مشاعروں کی تاریخیں وغیرہ لکھی جانے لگیں۔ تاریخ کہنے کے ساتھ ساتھ اہم واقعات بھی نقل کیے جانے لگے یوں بیاض تذکرے میں تبدیل ہو گئی۔

تذکرے سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں شعرا کے کلام پر رائے بھی دی گئی ہو اور ان کے خاندانی حالات و واقعات بھی درج ہوں۔ قدرت اللہ قاسم نے "مجموعہ نغز" ۱۲۲۱ھ میں تالیف کیا۔ "مجموعہ نغز" سید میر علی کے مصرعے کا ٹکڑا ہے۔ جس سے تالیف کے مکمل ہونے کی تاریخ نکلتی ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اس تذکرے کو ۱۹۳۳ء میں مرتب کیا۔ شیرانی نے متن کی بنیاد جس مخطوطے پر رکھی وہ غیر مطبوعہ ہے اور محمد حسین آزاد سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد حسین آزاد کی وفات کے بعد وہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری کی ملکیت بنا۔ شیرانی کو یہ مخطوطہ انتہائی خستہ حالت میں ملا تھا۔ اس کے ابتدائی اوراق ضائع ہو چکے تھے۔ جن سے یہ تحریری ثبوت ملتا کہ یہ نسخہ قدرت اللہ قاسم کا ہے۔ محمود شیرانی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی تحقیقی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انھوں نے اندرونی یعنی داخلی شہادتوں کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ زیرِ نظر نسخہ قدرت اللہ قاسم کا ہے۔ بعد میں ان کو ایک اور نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن سے ملا جو ایک عالم کا لکھا ہوا معلوم نہ ہوتا تھا کیوں کہ اس کا متن اغلاط سے پُر تھا۔ محمود شیرانی نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نسخے کو بنیادی نسخہ بنایا اور انڈیا آفس لندن کے نسخے کو ثانوی درجہ دیا۔

تدوین کے دوران میں جہاں کہیں ان نسخوں سے اصلاح ممکن نہ رہی تو قیاسی تصحیح سے کام لیا۔ جو جملے حال کے منافی تھی ان کو تبدیل کر کے حواشی میں وضاحت کر دی۔ "مجموعہ نغز" سے قبل "نکات الشعرا" (میر تقی میر)، "تذکرہ ریختہ گویاں" (علی حسینی گردیزی)، "مخزن نکات" (قیام الدین قائم)، "چمنستان شعرا" (لچھمی نارائن شفیق)، "تذکرہ شعرائے اردو" (میر حسن)، "تذکرہ شورش" (غلام حسین شورش)، "گلزارِ ابراھیم" (علی ابراھیم خاں)، "تذکرہ ہندی" اور "عقدِ ثریا" (غلام ہمدانی مصحفی)، "گلشن ہند" اور "تذکرہ عشقی" (شیخ محمد وجیہ الدین عشقی) وجود میں آ چکے تھے۔ مذکورہ تذکروں سے موازنہ کیا جائے تو "مجموعہ نغز" مبسوط اور ضخیم تالیف ہے لیکن "عیارالشعرا" (خوب چند) اور "عمدہ منتخبہ" (اعظم الدولہ سرور) سے فضیلت نہیں رکھتا۔ "مجموعہ نغز" اپنے مؤلف کے حالات زندگی پر نہ سہی اس عہد

کے لوگوں کے روز گار، مشاغل، ادبی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی ماحول پر کافی روشنی ضرور ڈالتا ہے۔ یہ تذکرہ کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس تذکرے میں محمد شاہ کے عہد سے شاہ عالم ثانی کے عہد کے اختتام تک کے شعرا ادبا کے حالات زندگی بیان ہوئے ہیں۔ جدید اور قدیم تذکروں کی درمیانی کڑی "آب حیات" ہے جو مولانا محمد حسین آزاد کی تالیف ہے۔ آزاد نے اپنی اس تالیف کے مآخذ کو بوجہ پوشیدہ رکھا تھا۔ لیکن اس تذکرے کی دریافت سے محمد حسین آزاد کا راز فاش ہو گیا اور "آب حیات" میں دی گئی معلومات کا مآخذ سامنے آگیا۔ "اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "اس کے ذریعے اردو ادب کی مشہور کتاب "آب حیات" کے ایک مآخذ کا سراغ مل جاتا ہے۔ صاف پتا چلتا ہے کہ محمد حسین آزاد نے "آب حیات" کی تالیف میں "مجموعہ نغز" سے خاصی مدد لی ہے۔"(۴)

"مجموعہ نغز" (قدرت اللہ قاسم) کی تدوین کے دوران میں حافظ محمود شیرانی نے درج ذیل اصول اپنائے:

۱۔ مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے متن کے نسخے کو اساس بنایا۔

۲۔ مصنف کی املا کو ملحوظ خاطر رکھا تاکہ گزشتہ صدی کے ایک عالم صاحب قلم کے خصائص املا، انشا معلوم رہیں اور اردو الفاظ کا مخصوص تلفظ جس طرح سے اس عہد میں بولے جا رہا تھا قاری پر واضح ہو جائے۔

۳۔ انھوں نے ممکن حد تک "مجموعہ نغز" کے متن کو بلحاظ رسم الخط اپنے اصل کا صحیح قائم مقام بنایا۔

۴۔ یائے معروف و مجہول اور کاف فارسی و عربی کا فرق رکھا۔

۵۔ علیٰ ہذا الف ممدودہ اور ہمزہ کا اپنی طرف سے متن میں بہت سی جگہوں پر اضافہ کیا جو کہ اصل نسخہ میں مرقوم نہیں۔

یہ معاملہ شاعری کے ایک قدیم تذکرے کے متن کی تدوین کا تھا جس کے اپنے تقاضے ہیں جس میں تاریخی، سوانحی حقائق اور شعرا سے منسوب اشعار کی تحقیق کی حیثیت بنیادی تھی۔ اب ایک منظوم تصنیف "دیوان غالب" (نسخہ عرشی) کا تعارف دیا جاتا ہے۔ جس میں ساری توجہ متن اور الفاظ پر ہونی چاہیے۔ غلطی کا امکان تحقیق کے مادے میں فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ اس میں کچھ بھی حرفِ آخر نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ غالب جیسے شاعر کے کلام کی تدوین بہت مشکل کام ہے۔ "دیوان غالب" غالب کی اپنی زندگی میں پانچ بار چھپا لیکن وہ کسی ایک اشاعت پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ ان کے خیال میں کاتبوں اور ناشرین نے صحیح متن چھاپنے کی پوری سعی نہیں کی۔ اب تک اس دیوان کے جتنے بھی نسخے ترتیب دیے گئے ہیں امتیاز علی خاں عرشی کی تحقیق کے مطابق ان میں ایک بھی منشائے مصنف پر پورا نہیں اترتا۔ اب تک اس دیوان کے اس قدر نسخے ترتیب دیے جا چکے ہیں کہ ان تمام کا ذکر یہاں ممکن نہیں لیکن چند اہم نسخوں کا

تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غالب کی اپنی زندگی میں ان کا دیوان درج ذیل مطابع سے شائع ہوا:

۱۔ مطبع سید الاخبار، دہلی، اکتوبر ۱۸۴۱ء
۲۔ مطبع دارالسلام، دہلی، مئی ۱۸۴۷ء
۳۔ مطبع احمدی، دہلی، ۱۸۶۱ء
۴۔ تصحیح شدہ نسخہ، مطبع نظامی، کان پور، ۱۸۶۲ء
۵۔ نسخہ مطبع مفید خلائق، آگرہ ۱۸۶۳ء (اس اشاعت کی خاص بات یہ تھی کہ پہلی مرتبہ یائے معروف، یائے مجہول، یائے ہوز اور یائے مخلوط میں امتیاز کیا گیا۔)

۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو غالب وفات پا گئے۔ اس کے بعد ان کے کلام کے کئی دیوان ترتیب دیے گئے۔ جن میں چند نمائندہ دیوانوں کا تذکرہ یہ ہے:

۱۔ "دیوان غالب"۔۔ نسخہ حمیدیہ بھوپال کے ڈائریکٹر سر رشتہ تعلیم انوارالحق نے ۱۹۲۱ء میں ترتیب دیا۔
۲۔ "دیوان غالب"۔۔۔ نسخہ شیرانی، مجلس ترقی ادب لاہور نے اس کا فوٹو آفسیٹ ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ امتیاز علی خاں عرشی کے مطابق اس کا سن کتابت ۱۸۲۶ء ہے۔
۳۔ "دیوان غالب"۔۔۔ کامل، کالی داس گپتا نے ترتیب دیا اور انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع کیا۔
۴۔ "دیوان غالب"۔۔۔ نسخہ خواجہ، ڈاکٹر سید معین الرحمن نے ترتیب دیا اور الوقار پبلی کیشنز، لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔
۵۔ "دیوان غالب"۔۔۔ نسخہ عرشی، امتیاز علی خاں عرشی نے ترتیب دیا اور مجلس ترقی ادب، لاہور نے ۱۹۵۸ء میں پہلی بار شائع کیا۔
۶۔ "دیوان غالب"۔۔ اردو / نسخہ ء عرشی، نسخہ حمیدیہ کا تقابلی مطالعہ کی تالیف ڈاکٹر زاہدہ نثار نے کی ۲۰۰۸ء میں ادارہ تالیف ترجمہ پنجاب یونی ورسٹی سے شائع ہوئی۔
۷۔ "اردو کلیات غالب"۔۔۔ نسخہ اشرف، یہ کلیات سنگ میل پبلی کیشنز سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ نسخہ ء عرشی کو کلام کی تاریخی ترتیب اور صحت، نسخوں کے اختلاف کی نشان دہی، شرح اور ضروری حواشی تحریر کیے۔ لیکن عرشی نے "دیوان غالب" کو تاریخی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ جس سے کلامِ غالب تقسیم ہو گیا ہے۔ جس کے عنوانات یہ ہیں: "گنجینہ ء معنی"، "نوائے سروش"، "یادگار نالہ"، "باد آورد"

۱. "گنجینہ معنی": میں وہ اشعار ہیں جو نسخہ بھوپال اور نسخہ شیرانی میں تھے۔ لیکن ۱۸۳۳ء کے مرتبہ دیوان سے غالب نے خارج کر دیے تھے۔ اس حصے کی وجہ تسمیہ یہ شعر ہے:

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے
جو لفظ کہ ،غالب مرے اشعار میں آوے(۵)

۲. "نوائے سروش" اس حصے میں وہ کلام ہے جو غالب نے اپنی زندگی میں چھپوایا تھا۔ یہ اب متداول دیوان غالب کے نام سے مشہور ہے۔ نوائے سروش کی ترکیب اس شعر سے لی گئی ہے:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب ،صریرِ خامہ نوائے سروش ہے(۶)

۳. "یادگار نالہ" اس حصے میں وہ کلام درج ہے جو مختلف نسخوں کے حاشیوں یا خاتمے میں درج تھا یا مختلف اخبارات، رسائل کی زینت بنا تھا۔ "یادگار نالہ" کی اصطلاح اس شعر سے لی گئی ہے:

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل یاد
یادگارِ نالہ، یک دیوانِ بے شیرازہ تھا(۷)

۴. "بادِ آورد": امتیاز علی خان عرشی نے جب تدوین کا کام تقریباً مکمل کر لیا تو کلام غالب کا کچھ حصہ نسخۂ عرشی زادہ کے روپ میں غیر متوقع طور پر دریافت ہوا۔ اس لیے اس کا نام باد آورد رکھا گیا۔ اس کلام کو دیوان میں مناسب جگہ نہ مل سکی کیوں کہ کام مکمل ہو چکا تھا۔ عرشی نے اسے ضائع کرنے کے بجائے دیوان کے آخر میں شامل کر کے مقدمے میں عذر لکھ دیا۔

نسخۂ عرشی کے مرتبہ دیوان کی پہچان اس کا مقدمہ ہے۔ جو ۹۱ صفحات پر مشتمل ہے جس میں عرشی صاحب نے متن کے تمام متعلقات کو بیان کیا ہے۔ نسخۂ عرشی میں شعری اصناف کی ترتیب یہ ہے۔

دیباچہ، قطعات، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات اور تقریظ۔ اس سے قبل تمام نسخوں میں اصناف شعر کی ترتیب یوں ہے۔ دیباچہ، غزلیات، قصائد، مثنوی، قطعات، رباعیات اور تقریظ۔ جو نہ صرف سنتِ شعرا کے خلاف ہے بلکہ نسخہ رام پور جدید (دیوان غالب کا آخری مستند ایڈیشن ہے) سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ "دیوان غالب" کے متن کی تصحیح کرتے ہوئے امتیاز علی خان عرشی نے:

مرزا غالب کی پسندیدگی کا لحاظ رکھا۔

- جن لفظوں کو غالب نے دو طرح سے لکھا مثلاً (جائے ہے اور جاے ہے) ایسی صورت میں وہ شکل اختیار کی جو موجودہ بول چال کے بھی مطابق ہو اور غالب کی آخری تحریر کے بھی موافق ہو۔
- اوس اور اودھر سے واؤ کو گرا کر الف پر پیش کا التزام کیا (حالانکہ غالب نے اپنے کلام میں اُس کو اوس اور اُدھر کو اودھر ہی لکھا ہے)

- مرکبات اضافی و توصیفی میں حمزہ یا زیر کا استعمال کیا
- وقف کی کئی علامتیں استعمال کی ہیں مگر سکتہ کو حد افراط تک برتا۔
- اصناف شعری کو جداگانہ تاریخ وار مرتب کیا اور ہر ردیف کی غزلوں کو الگ حصہ قرار دے کر تاریخی حیثیت سے آگے پیچھے رکھا۔
- غالب کی اصلاح کو جو انھوں نے اپنے کلام کی آخری بار کی خوش ذوقی کے پیمانے پر ناپا۔ اگر یہ سعی خوب سے خوب تر بنانے والی معلوم ہوئی تو اسے متن میں رکھا ورنہ متن کے اندر پرانے لفظوں کو برقرار رکھ کر حاشیے میں اصلاح کا تذکرہ کر دیا۔

اس مضمون میں علمی نثر اور "دیوان غالب" کا تذکرہ کرنے کے بعد تخلیقی نثر ("باغ و بہار") کی تدوین کا ذکر بھی ضروری ہے تاکہ مختلف متون کے نسخوں کی تدوین کے تقاضوں کے امتزاج کو سمجھا جاسکے۔ تذکرہ شعرا، شعری مجموعہ اور ایک داستان کی تدوین کے تقاضے اور ضرورتیں مختلف ہیں اور محقق و مدون بھی مختلف۔ اس لیے ان کی تحقیق و تدوین کے اپنے اپنے انداز سامنے آتے ہیں۔ علاوہ ازیں مشرق میں کتابوں کی تصنیف و تالیف اور تدوین و ترتیب کی روایت نئی نہیں۔ مذکورہ بالا مختلف متون کے مطالعہ میں بعض مشترکہ معاملات (مثلاً املا اور تصحیح عبارت وغیرہ) کے حوالے سے مختلف نکتہ ہائے نظر سامنے لانے کی کوشش کی جائے گی۔

میر امن کی زندگی کے بارے میں کی جانے والی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ میر امن کے بارے میں جتنی معلومات بھی ملتی ہے اس کی بنیاد قیاس اور مفروضات پر ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ میر امن نے نہ تو خود اپنے حالات زندگی کو کہیں تفصیل سے بیان کیا ہے اور نہ اُس کے ہم عصر یا بعد کے تذکرہ نگاروں نے (سوائے دو چار تذکرہ نگاروں کے جنھوں نے میر امن کا ذکر کیا ہے) ان کے ہاں بھی معلومات کی صداقت کا کوئی علاوہ ازیں مستند حوالہ نہیں ملتا۔ رشید حسن خاں نے "باغ و بہار" کے مقدمے میں میر امن کے متعلق معلومات کے لیے "باغ و بہار"، "گنج خوبی" اور فورٹ ولیم کالج کو حوالے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ لیکن ان حوالوں سے بھی میر امن کے نام کا ہی علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص معلومات نہیں ملتیں۔ جن کتب میں میر امن کے ذاتی حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں "گل کرسٹ اور اس کا عہد" (عتیق صدیقی)، "گلشن ہمیشہ بہار" (نصر اللہ خاں خویشگی)، "طبقات الشعرا ہند" (کریم الدین احمد)، "سیر المصنفین" (محمد یحییٰ تنہا)، مرتبہ: ڈاکٹر امیر اللہ شاہین، "تذکرہ گلشن ہند" (مرزا علی لطف) اور گل کرائسٹ کی (The strangers inflallible east india guide) قابلِ ذکر ہیں۔ بے شک رشید حسن خاں کے مطابق ان کتب کی معلومات مشکوک ہیں لیکن "باغ و بہار" کے اکثر مدونین نے میر امن کے کوائف اور حالات زندگی وغیرہ ان کتب سے لیے ہیں۔ یہاں میر امن کے سوانحی کوائف اور ان کی زندگی کے حالات و واقعات بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ جس چیز کی

حقیقت اظہر من الشّمس ہو اسے قبول کر لینے میں ہی بھلائی ہے۔

۱۷۶۸ء اور ب ۱۷۷۵ء کے دوران میں پہلی بار میاں حسین عطاخان تحسین نے "قصہ چہار درویش" کو "نوطرز مرصع" کے عنوان سے اردو کا جامہ پہنایا۔ یہ فارسی زبان کا قصہ امیر خسرو سے منسوب تھا۔ ۱۸۰۱ء میں محمد غواص / محمد غوث اور میر امن نے الگ الگ اس قصے کو اردو زبان میں بیان کیا۔ میر امن کا قصہ سلیس رواں اور محاورہ دہلی کے مطابق ہونے کی وجہ سے شہرت پا گیا۔ میر امن نے اس قصے کو "چہار درویش" کے عنوان سے تالیف تھا لیکن شہرت اسے "باغ و بہار" کے نام سے ملی۔ یہ قصہ "باغ و بہار" کے عنوان سے کیوں مشہور ہوا۔ اس کا جواب رشید حسن خاں کے مقدمے سے دیا جاتا ہے:

> "جب یہ کتاب فضل الٰہی سے اختتام کو پہنچی۔ جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اسی میں تاریخ نکلے۔ جب حساب کیا، تو بارہ پندرہ ہجری کے آخرِ سال میں کہنا شروع کیا تھا۔ باعث عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سنہ کی ابتدا میں انجام ہوئی۔ اس فکر میں تھا کہ دل نے کہا "باغ و بہار" اچھا نام ہے کہ ہم نام وہم تاریخ اس میں نکلتی ہے، تب میں نے یہی نام رکھا۔"(۸)

میر امن نے اس قصے کا مآخذ فارسی قصہ "چہار درویش" بتایا تھا لیکن تحقیق نے ثابت کر دیا میر امن کے اس قصے کا مآخذ "نوطرز مرصع" ہے۔ میر امن نے قصہ "چہار درویش" کو امیر خسرو اور نظام الدین اولیا سے منسوب کیا تھا لیکن حافظ محمود شیرانی نے بڑی محنت اور کاوش سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس قصے کا امیر خسرو اور نظام الدین سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ قصہ "چہار درویش" کا اسلوب امیر خسرو کے انداز بیان سے نہیں ملتا۔ حافظ محمود شیرانی کی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قصہ "چہار درویش" محمد علی کی تخلیق ہے۔ محمد علی نے "حکایت" کے عنوان سے فارسی زبان میں کہا۔ "باغ و بہار" کا پہلا ایڈیشن ۱۸۰۲ء میں اور دوسرا ایڈیشن نظر ثانی کے بعد ۱۸۰۴ء میں شائع ہوا۔ رشید حسن خاں نے ۱۸۰۴ء کے مطبوعہ نسخے کو بنیاد بنایا ہے۔ ان کے نزدیک یہ نسخہ مصنف کے زیادہ قریب ہے۔ میر امن نے اس پر نظر ثانی گل کرائسٹ کے کہنے پر کی تھی۔ اس تالیف کا مقصد انگریز ملازمین کو اردو سکھانا تھا۔ گل کرائسٹ نے میر امن کو الفاظ پر اعراب اہتمام کرنے کا کہا تا کہ اردو کے تلفظ کی ادائیگی میں آسانی رہے۔ "باغ و بہار" کے مدونین نے اس بات کو نظر انداز کر دیا اور الفاظ پر اعراب لگائے بغیر متن کو ترتیب دیتے رہے۔ جس وجہ سے متن اصل سے دور ہوتا گیا۔ رشید حسن خاں نے اس غرض و غایت کے پیش نظر ۱۹۹۰ء کو اسے ترتیب دیا تو اندازِ املا میں بھی منشائے مصنف کا خیال رکھا۔ اُن سے قبل چھپنے والے نسخوں کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ انھوں نے تدوین کے دوران جن نسخوں کے متن کو پیش نظر رکھا ان کا ذکر لازم ہے۔ ان نسخوں میں ہندی مینول ۱۸۰۴ء کا نسخہ (جو ہندوستانی پریس کلکتہ

سے شائع ہوا)، ۱۸۴۶ء ڈنکن فاربس کا نسخہ اور مولوی عبدالحق کا نسخہ شامل ہیں۔ "باغ و بہار" کی تدوین سے قبل رشید حسن خاں "فسانہ عجائب" ترتیب دے کر شائع کر چکے تھے۔ "باغ و بہار" اور "فسانہ عجائب" اردو کی دو اہم ترین داستانیں ہیں۔ اس لیے دونوں کی تدوین کا طریقہ کار ایک جیسا ہے۔ ان داستانوں کی تدوین کر کے اور ان کے مقدمات حواشی لکھ کر رشید حسن خان نے اردو میں بلاشبہ تدوین کے اعلیٰ معیار قائم کیے "باغ و بہار" کے متن کو ترتیب دیتے ہوئے رشید حسن خان نے:

- منشائے مصنف کا ہر لحاظ سے خیال رکھا۔
- اُس متن کے نسخے کو اساس بنایا جس کی میر امن نے آخری بار اصلاح کی۔
- متن میں مصنف کے املا کو ترجیح دی۔ سوائے اُن الفاظ کے جن کا اصل املا نئے (غیر تربیت یافتہ) قاری کو کسی الجھن میں ڈال سکتا تھا۔
- "باغ و بہار" کے مختلف اہم نسخوں کو سامنے رکھا۔
- حواشی میں ایسے الفاظ سے متعلق ضروری تفصیلات دیں جو کسی بھی لحاظ سے وضاحت طلب تھے۔
- وقت کے ساتھ تذکیر و تانیث میں ہونے والے تغیرات اور مصنف کے خاص انداز (جیسا کہ میر امن نے خلعت کو مونث لکھا ہے جبکہ یہ لفظ بہ طور عموم مذکر ملتا ہے) کو ملحوظ خاطر رکھا۔

تقابل ہمیشہ ان چیزوں کا کیا جاتا ہے جن میں کچھ نہ کچھ اشتراک ہو۔ اصناف کے لحاظ سے "مجموعہ نغز"، دیوان غالب ۔۔۔ نسخہ عرشی اور "باغ و بہار" میں موضوع اور صنف ادب کا اشتراک نہیں ہے۔ ان میں مشترک چیز صرف یہ ہے کہ ان متون کی تدوین کی گئی ہے۔ ان کے مقدمات میں تدوین کے اصول اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے مدونین نے اپنے اپنے انداز میں اصول مرتب کیے ہیں جن میں کچھ باتیں مشترک ہیں۔ یاد رہے کہ ان تینوں نسخوں کی پہچان ان کے مقدمات کی بدولت ہے۔ تدوین کا بنیادی کام ہے متن کو منشائے مصنف کے مطابق ترتیب دینا اور متن میں ہونے والے حذف و اضافے کی نشان دہی کرنا، لیکن حافظ محمود شیرانی نے انڈیا آفس کے نسخے کے اضافوں کو متن میں شامل کر دیا ہے اس کے علاوہ انھوں نے اپنی طرف سے بھی متن میں اضافے کیے ہیں۔ جن کو انھوں نے قوسین میں لکھا ہے کچھ اشعار جو عہد حاضر کے منافی تھے ان کو خارج کر دیا۔ یہ بات ظاہر ہے منشائے مصنف کے ہم آہنگ نہیں۔ امتیاز علی خاں عرشی نے تدوین کے دوران میں اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھا۔ مصنف کا املا بھی منشائے مصنف میں شامل ہے لیکن عرشی نے مصنف کے املا کی پیروی نہیں کی انھوں نے نسخے میں تین طرح کا املا دے دیا ہے۔ جس کا مقصد کچھ بھی ہو۔ لیکن تدوین کی قدر و قیمت پر اثر ضرور پڑا ہے۔ رشید حسن خاں تدوین کے اصولوں کے بہت پکے ہیں انھوں نے "باغ و بہار" کا متن ترتیب دیتے ہوئے مصنف کی منشا کو ہر لحاظ سے ترجیح دی۔ جس ایک آدھ لفظ کا

املا بدلا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ املا اب رائج نہ رہا۔ ان الفاظ کی وضاحت حواشی میں بھی کر دی ہے۔ پورے متن کے اندر ایک طرح کا املا ہے۔ انھوں اپنی طرف سے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔

دراصل الفاظ وقت گزرنے کے ساتھ اپنے معنی اور وضع قطع بدلتے رہتے ہیں بعض الفاظ کا املا اس حد تک بدل جاتا ہے اگر مصنف کا املا لکھا جائے تو موجودہ عہد کا قاری اس کی قرات ہی نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں مدون کو رائج املا متن میں دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک لفظ کا املا ایک جگہ پر کچھ دیا ہے اور دوسری جگہ پر کچھ اور لکھ دیا جائے۔ لیکن بعض الفاظ مختلف وزن (صنف شعر میں) پر باندھے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کو عروضی مقاصد کے لیے مختلف وزن پر لکھنے کی اجازت ہوتی ہے کیوں کہ شاعر خود بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ لیکن جن الفاظ کا املا بدلنے سے وزن پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تو یہ تدوین کے اصولوں کے خلاف ہے۔ نسخہ عرشی طبع ثانی میں املا کی دورنگی ملاحظہ ہو:

- کیا مزہ ہوتا، اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
- غالب، مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو

"مزہ" یا "مزا" لکھنے سے وزن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تدوین میں قیاسی تصحیح کی بعض صورتوں میں اجازت ہے لیکن اس کے لیے بھی احتیاط لازم ہے۔ تدوین میں انتقادی تصحیح کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ عرشی صاحب "دیوان غالب" کی تدوین کے دوران میں کلام غالب کی ذوقی پیمانے پر تصحیح کرتے رہے ہیں جس کی نہ صرف قطعاً ضرورت نہ تھی بلکہ یہ بات تدوین کے بنیادی اصولوں کے بھی منافی ہے۔ اصول تدوین میں لچک ضرور ہوتی ہے لیکن حد سے تجاوز کرنے کی اجازت کسی صورت میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ کلام غالب کو تاریخی ترتیب دینے سے ان کی غزلوں کی تقسیم ہو گئی ہے اور ان کے اشعار دیوان کے مختلف حصوں میں بکھر گئے ہیں۔

اردو میں کلاسیکی کتابوں کے مقدمات لکھنے کی ابتدا مولوی عبدالحق نے کی۔ انھوں نے مصنف کے کوائف اور حالات زندگی کی تفصیلات کو مقدمے کا لازمی حصہ قرار دے دیا۔ بعد میں آنے والے مدونین نے اس کو تدوین کا لازمہ اور فرض عین سمجھ لیا۔ رشید حسن خاں نے اپنے مقدمے میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میر امن کے حالات زندگی کے متعلق جتنی باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ سب قیاس اور مفروضات پر مبنی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے مختلف تذکروں میں ملنے والے تمام کوائف کو بیان کرنا لازمی سمجھا ہے۔ جس سے مقدمہ بے جا طور پر طویل ہو گیا ہے۔ ان کو چاہیے تھا اپنی رائے دینے کے بعد چند اہم تذکروں کے نام بتا دیتے جس کو ضرورت ہوتی وہ متعلقہ حوالہ دیکھ لیتا۔ مقدمے کا طویل ہونا بری بات نہیں لیکن بغیر کسی وجہ کے محض مفروضات کے بیان سے طول دینا مناسب نہیں۔ نسخہ عرشی کا مقدمہ طویل ہے لیکن اس میں متن کے متعلقات ہی پر بحث کی گئی ہے۔ جس سے موضوع کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۱. اُس متن کے نسخے کو اساس بنایا جائے جو خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا، تصحیح شدہ یا تصدیق کردہ ہو۔

۲. مصنف کے نظام املا کو اپنایا جائے (ہاں اگر کسی لفظ کی اصل املا دینے سے متن کا نیا قاری (غیر تربیت یافتہ) کسی الجھن کا شکار ہوتا ہو اس لفظ کی رائج املا متن میں لکھ کر حواشی میں اس کی وضاحت کر دینی چاہیے)

۳. اس مخصوص متن (جس کی تدوین کی جا رہی ہو) کے مختلف اہم نسخوں کو سامنے رکھا جائے (اگر موجود ہوں تو)

۴. مصنف کے آخری اصلاح شدہ متن کو پیش کیا جائے

۵. تنقیدی مباحث کو مقدمے میں شامل نہ کیا جائے

۶. وقت کے ساتھ تذکیر و تانیث میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور پھر مصنف کا اپنا خاص انداز بھی ہوتا ہے (مثلاً میر امن نے خلعت کو مونث رکھا ہے جبکہ یہ لفظ بہ طور عموم مذکر ملتا ہے) اس لیے مرتب کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ وہ ممکن حد تک مصنف کے اسلوب سے بہ خوبی واقف ہو ساتھ ہی وہ اس عہد کی زبان و بیان سے بھی خوب واقفیت رکھتا ہو اور اس واقفیت کے بل پر اس خاص متن میں امکان بھر صحیح صورتوں کا تعین کرے اور وضاحت کے لیے حواشی میں تفصیلات درج کرے۔

۷. مقدمے میں متن کی صحت سے غیر متعلقہ باتیں بحث نہیں کی جانی چاہئیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد رضا، (مترجم)، ہندوستانی متنی تنقید کا تعارف، لاہور: کتاب محل، س۔ن، ص:۷۹

۲۔ کریم الدین احمد، تاریخ شعرا اردو، بحوالہ: دیباچہ مرتب، حافظ محمود شیرانی، مجموعہ نغز، دہلی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء، ص:لا

۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، نومبر ۱۹۷۲ء، ص:۱۱

۴۔ ایضاً، ص:۲۳۹

۵۔ امتیاز علی خاں عرشی، مقدمہ، دیوانِ غالب، لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۹۲ء، ص:۷۵

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ رشید حسن خاں، مقدمہ، باغ و بہار، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۲ء، ص:۴۴